© rasailojaraid.com

قاری سعید الرحمٰن علوی

تفسیر سراج البیان

۱۴۰۴ھ کے رمضان المبارک کی کوئی تاریخ تھی کہ میں ادارہ ثقافت اسلامیہ گیا۔ یہ جانا میرے معمول کا حصّہ تھا کیونکہ میں جن اداروں اور شخصیات سے ربط و ضبط رکھتا ہوں، ان سے ملاقات کی غرض سے گاہ بگاہ جانا میری زندگی کا معمول ہے۔ اس ادارے میں مولانا محمد حنیف ندوی اور مولانا محمد اسحاق بھٹی دو ایسے محترم بزرگ ہیں جن سے میری سالہا سال سے یاد اللہ ہے۔ ان سے علمی استفادہ اور رسمی و غیر رسمی ملاقات مجھے مہینے میں ایک آدھ مرتبہ ضرور ادھر لے آتی ہے۔ ان کے علاوہ باقی انتظامی عملہ اور دوسرے حضرات بھی محبت سے پیش آتے ہیں اور مجھے بھی ان سے ایک گونہ انس ہے۔

ادارے کے ڈائرکٹر جناب سراج منیر صاحب سے بھی متعدد وجوہ سے میرا تعلق ہے اور ان سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری ہے۔ میں نے وہاں یہ مژدۂ جانفزا سُنا کہ ادارہ ثقافت اسلامیہ کے سینئر ترین رکن اور متعدد کتب علمیہ کے مصنف مولانا محمد حنیف ندوی کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد کی جارہی ہے۔ میرے لیے یہ خبر نہایت خوش کن تھی۔ ابو سعید بزمی مرحوم نے مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق اپنے تجزیاتی مضامین میں یہ شکوہ کیا تھا کہ ہماری قوم بدقسمتی سے مُردہ پرست واقع ہوئی ہے، زندوں کی اس کے یہاں کوئی قدر نہیں۔ حالات کو دیکھ کر اس کا احساس مجھے بھی تھا، اس لیے ایک زندہ و سلامت علمی شخصیت کے لیے اس قسم کی تقریب بڑی خوشی کا باعث تھی۔

پڑوسی ملک ہندوستان میں اس قسم کے واقعات رونما ہو چکے ہیں، جن میں سے دو تقریبوں کی تحریری رپورٹ مطبوعہ شکل میں میرے سامنے موجود ہے یعنی ہندوستان کے مرحوم صدر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے اعزاز میں ہونے والی تقریب جو " نذرِ ذاکر" کے نام سے شائع ہوئی اور ساہتیہ اکیڈمی کے سربراہ مالک رام صاحب کے سلسلے کی تقریب "جو ارمغانِ مالک" کے نام سے طبع ہوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور میرے مرحوم بزرگ پروفیسر یوسف سلیم صاحب چشتی نے مجھے عنایت فرمائی۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ کے ارباب حل و عقد کا اس قسم کی تقریب کا اہتمام یقیناً ایک حوصلہ افزا کام تھا اور اس ملک میں ایک عالم دین سے متعلق یہ اپنی نوع کی پہلی تقریب ہے جس پر یہ حضرات بجا طور پر مستحق تبریک ہیں۔ مولانا ندوی کے بارے میں تقریب کی روح پرور خبر سنانے کے ساتھ ہی یہ بات سامنے آئی کہ جن حضرات گرامی کو اس سلسلے میں مقالات کی زحمت دی جا رہی ہے اس میں میرا بھی نام شامل ہے۔ یہ بات ادارے کی طرف سے بطور نمائندگی میرے محترم دوست محمد اسحاق بھٹی صاحب نے فرمائی، جس سے میں سخت حیران ہوا۔ میرے سامنے اگرچہ کم علمی کے تمام ابواب وا تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ ارباب ادارہ نے ایسا کیوں سوچا؟ لیکن نصرت خداوندی کی اُمید پر میں نے 'ہاں' کر لی۔ بھٹی صاحب نے کہا کہ مولانا کی دو چیزیں جو ادارے سے انسلاک سے قبل اشاعت پذیر ہو چکی ہیں، ان پر کام ہونا چاہیے۔ ساتھ ہی اُنھوں نے فرمایا کہ ملک سراج الدین اینڈ سنز تاجران کتب کشمیر بازار لاہور کی طرف سے ایک زمانے میں مولانا کی تفسیر قرآن شائع ہوئی تھی۔ تفسیر قرآن کا لفظ سن کر مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی، اپنے گھریلو ماحول کے اعتبار سے قرآن عزیز سے مجھے خاص لگاؤ ہے۔ اس کی مختلف تفاسیر کو دیکھنا اور اُن سے استفادہ میرا خاص ذوق ہے۔ لسان القرآن کے نام سے مولانا کی جو کتاب ابھی تھوڑا عرصہ قبل ادارے کی طرف سے چھپی ہے اس نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ میں نے ہفت روزہ "خدام الدین" کی اشاعت مجریہ ۱۶ مارچ ۱۹۸۴ء میں اس پر تبصرہ کرتے لکھا تھا۔

> "مولانا چونکہ اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ عصر نبوت کے استحضار، زبان عربی پر کامل عبور اور قرآن سے بدرجہ غایت محبت کے بغیر قرآن فہمی ممکن نہیں۔ اس لیے وہ دل و دماغ کی تمام وسعتوں کے ساتھ اس میدان میں اترے ہیں۔ اُنھوں نے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی سیرت کو کھنگالا اور پوری طرح زبانِ عربی پر عبور حاصل کیا اور بالآخر قرآن سے اپنی محبت کا ثبوت اس طرح دیا کہ بس اب اسی کے ہو کر رہ گئے۔ وہ اس بات کو قطعاً تسلیم نہیں کرتے کہ ایک شخص چند تراجم کو سامنے رکھ کر یا مستشرقین کی تصریحات پڑھ کر فاضل قرآن ہو سکتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ قرآن سے پہلے غیر قرآنی صنم خانوں کو یکسر مٹایئے اور اس کلام الٰہی کے اتھاہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمندر میں اس طرح غوطہ زنی کریں کہ آپ کی روح میں وہ رچ بس جائے۔ تب قرآن اپنے خزانے آپ پر وا کرے گا۔"

یہ گفتگو لسان القرآن کے مقدمے کی ایک طرح کی تلخیص تھی جس میں مولانا کا پورا ذوق قرآنی آگیا ہے، اس لیے جب میں نے یہ سنا کہ مولانا کی تفسیر قرآن چھپی تھی تو دل میں یہ خیال چٹکیاں لینے لگا کہ لسان القرآن کے ۷۵ سالہ باہمت بوڑھے کے دورِ جوانی کی تفسیر ضرور دیکھنا چاہیے۔

میں نے مولانا ندوی سے استفسار کیا کہ تفسیر آپ کے پاس تو ہوگی، مولانا نے جواب دیا "نہیں"۔ یہ "نہیں" مجھ پر قیامت بن کر گری۔ اتنی محنت کرنے والے کے پاس بھی اپنا شاہکار نہیں تو پھر وہ کہاں ملے گی؟ بھٹی صاحب سے معلوم کیا تو ان کا جواب بھی "نہیں" تھا۔ بعض اہم شخصیات کے معاملے میں پوچھا جن سے توقع تھی تو ہر ایک کے متعلق ایک ہی جواب تھا کہ ان کے پاس نہیں ہے۔ اب میں نے پنجاب پبلک لائبریری کا رُخ کیا کہ شاید "بیت القرآن" کے ذخیرے میں موجود ہو، مگر وہاں بھی نہ تھی۔ لاہور میوزم کی لائبریری گیا، لیکن گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ وہاں سے پنجاب یونیورسٹی لائبریری گیا تو ایک کتاب دیکھی۔ کشمیری بازار جو کبھی لاہور میں علمی خزانوں کا واحد مرکز تھا، اس کی روایات کے مطابق، کتاب کا رنگ و روغن تھا —— بے تابی سے کتاب کھولی تو وہ فقط پارہ ۱۹ سے آخر تک تھی، گویا آخری بارہ پارے —— نمبر صفحات مسلسل تھے، از صفحہ ۸۶۵ تا ۱۴۴۸، ٹائیٹل وغیرہ کچھ نہ تھا، لائبریری کی سلیپ پر "قرآن حکیم مع تفسیر سراج البیان" اور مولانا کا نام درج تھا۔ نمبر ح ۸۲ ت ۱۲ - ۲۹۷ —— ۷۴۵۸

چند صفحات پڑھے، دل کو ایک گونہ تسلی ہوئی کہ کچھ تو ہاتھ آیا، باہر نکلا تو سوچا کہ دیال سنگھ لائبریری دیکھتا چلوں، لیکن وہاں بھی مایوسی ہوئی۔ قائد اعظم لائبریری گیا، وہاں بھی تفسیر نہ ملی۔ دار السلام لائبریری دیکھی، لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اگلے دن جب مولانا ندوی اور بھٹی صاحب سے تمام واقعہ بیان کیا تو وہ ایک جزو کے ملنے پر بے حد مسرور ہوئے۔ پوری تفسیر کے لیے گوجرانوالہ کے گرامی قدر علما مولانا محمد اسماعیل اور مولانا عبد الواحد علیہما الرحمہ کی لائبریریوں سے پتا کیا گیا تو وہاں بھی جواب نفی میں تھا۔ ایک غلطی ہم سے یہ ہوئی کہ ہم نے اپنے طور پر کسی غلط فہمی کی بنا پر یہ طے کر لیا کہ ملک سراج الدین کی فرم ختم ہو چکی ہے، حالانکہ وہ قائم ہے۔

تیسرے دن بھاٹی دروازے کے قریب ملک جلال دین وقف ہسپتال کی دکانوں میں ملک سراج الدین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا بورڈ نظر آیا، بے تابی سے اُدھر بڑھا تو وہاں سے جواب ملا کہ کشمیری بازار جائیں، صحیح بات وہاں سے معلوم ہوگی۔ کشمیری بازار گیا تو سنہری مسجد سے چند قدم آگے دائیں ہاتھ ایک بڑا سا بورڈ نظر آیا، ملک سراج الدین۔ آگے بڑھ کر دکان پر پہنچا، معاملہ ایک صاحب کے گوش گزار کیا تو انھوں نے کہا کہ ایسی تفسیر چھپی تو تھی، لیکن میرے بڑے بھائی صاحب ہی صحیح بتائیں گے، اب شام ہو رہی ہے وہ نہیں ملیں گے، آپ کل آئیں۔ پھر گیا اور مقصد بیان کیا تو وہ نہایت احترام سے پیش آئے اور اپنے سامنے رکھے ہوئے بعض اجزا میری طرف بڑھاتے ہوئے بولے، یہ ہے "تفسیر سراج البیان" جو کئی دفعہ چھپ چکی ہے، اب ختم ہوگئی ہے، اسے ہم پھر چھاپ رہے ہیں، انشاءاللہ تعالیٰ جلد ہی چھپ جائے گی۔ میں نے عرض کیا مجھے اس پر مضمون لکھنا ہے پرانے ایڈیشن کا کوئی نسخہ فراہم ہو سکے تو نوازش ہوگی۔ جواب نفی میں تھا، البتہ پارہ ۱۳ سے ۱۸ تک کے اجزا ایک سے زائد تھے، وہ ایک جزء مجھے منگوا دیا کہ آپ استفادہ کرلیں، باقی اجزا بالکل نہیں ہیں۔ مکمل صرف ایک نسخہ ہے، جس کے ہم فوٹو لے رہے ہیں۔ یہ صاحب ملک عبدالرؤف تھے، ملک سراج الدین کے بڑے فرزند۔

ملک سراج الدین ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۴ء میں ملک سراج الدین اینڈ سنز کے نام سے کشمیری بازار میں دکان کھولی، تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی بہت سی کتابیں مختلف زبانوں میں شائع کیں، ۸۔ مارچ ۱۹۸۴ء کو اس دُنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

تفسیر کے سلسلے میں مولانا محمد حنیف ندوی نے بتایا کہ شیخ محمد اشرف مرحوم (تاجر کتب) نے یہ تفسیر لکھوانے کا منصوبہ بنایا تھا، انہی کے تقاضے سے مولانا نے کام شروع کیا، ابتدائی پندرہ پارے ڈیڑھ سال کے عرصے میں مکمل ہوئے۔ شیخ صاحب نے مبلغ تین سو روپے مولانا کی نذر کیے ـــ مجھے یہ سن کر خیال آیا کہ پچھلے دور میں ایک لفظ "استحصال" کا بہت چرچا ہوا ـ میرے خیال میں اصل استحصال صرف "اہل علم" کا ہوا ہے ـ اس کی بے شمار مثالیں میرے سامنے ہیں، ذکر کا فائدہ نہیں ـ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ "علم فروش" اور "اہلِ علم" میں بڑا فرق ہے۔ علم فروش تو ہر سطر اور لفظ کے دام کھرے کرتے ہیں، لیکن اہلِ علم کا معاملہ الگ ہوتا ہے ـ بہر حال پندرہ پاروں کی تکمیل کے بعد ملک سراج الدین صاحب نے شیخ صاحب سے تقاضا کر کے یہ تفسیر خود لے لی اور باقی پندرہ پاروں کی تکمیل کے لیے مولانا کو سرینگر کے قریب ایک صحت افزا مقام پر بھیج دیا۔ کہا جاتا ہے کہ مبلغ ایک سو روپے مولانا کے سفر خرچ کے لیے ملک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب نے مرحمت فرمائے ۔صرف پچیس دن وہاں قیام رہا ، لاہور سے مولانا کے کسی عزیز کی وفات کی اطلاع پہنچی تو مولانا واپس آگئے ۔ لیکن پچیس دن میں پندرہ پارے مکمل ہو چکے تھے ۔ سبحان اللہ وبحمدہ ۔

مولانا ندوی اور ملک عبدالرؤف تفسیر کے سالِ تکمیل کا صحیح طور سے تعین نہ کر سکے ۔ملک صاحب کا کہنا ہے کہ یہ ۱۹۳۴ء اور ۱۹۴۰ء کے درمیان کا واقعہ ہے ۔مولانا کا خیال ہے کہ ۱۹۳۳ء یا ۱۹۳۴ء کی بات ہے ۔ ابتدا میں اس کے کم سے کم پانچ ایڈیشن ۱۴½ × ۱۱ کے سائز پر مروجہ طریق سے چھپے ۔متن قرآنی کے نیچے دو ترجمے تھے ۔ ایک حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کا اور دوسرا حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کا ۔ دہلی کے مشہور عالم مولانا اخلاق حسین قاسمی نے آٹھ سو صفحات پر مشتمل ایک عظیم الشان کتاب "محاسن موضح قران" لکھی ہے ، جس میں شاہ عبدالقادر کے ترجمے کے کمالات پر گفتگو کی ہے ۔ یہ کتاب "ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ اکادمی بھیرہ ضلع سرگودھا" سے شائع ہو چکی ہے ۔ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ لفظی ہے اور اب تک لوگ اس سے خوب استفادہ کر رہے ہیں ۔

تفسیر" سراج البیان "کے ان ۵ ایڈیشنوں میں مولانا ندوی کے تفسیری نوٹس حاشیے پر تھے ۔ اس کے بعد اسے تفسیری انداز میں شائع کیا گیا ۔ ۱۰ × ۷ کا سائز ہے ، کل صفحات ۱۶۰۰ ہیں ، ۶ ، ۶ پارے کی ایک جلد ہے گویا کل پانچ جلدیں ، صفحات کے نمبر مسلسل ہیں اور پہلی جلد کے بعد کسی جلد کے ابتدا میں ٹائیٹل نہیں ہے ۔ اس کے بھی کئی ایڈیشن شائع ہوئے ، میں نے ملک عبدالرؤف کے پاس ۱۹۶۶ء اپریل کا ایڈیشن دیکھا ، منشی سید احمد خوش نویس لاہور کی کتابت ہے ، بہت خوبصورت اور صاف ۔ ہر صفحے کو دو حصوں میں بانٹا گیا ہے ۔ اوپر کے حصے میں آمنے سامنے متن اور ترجمہ ہے ۔ لیکن اب کے ترجمے کا اور انداز ہے ، یعنی ترجمہ دو کے بجائے ایک ہے ، لیکن وہ ترجمہ شاہ عبدالقادر یا شاہ رفیع الدین کا نہیں ، بلکہ ان دونوں بزرگوں کے ترجمے سے مستفاد سلیس ترجمہ ہے ۔ یہ خدمت انجام دینے والے بزرگ ہیں کانگڑہ کے جناب حکیم محمد یاسین مرحوم و مغفور ۔ نچلے کالم میں مولانا ندوی کے تفسیری نوٹس ہیں اور آخر میں حلِّ لغات ۔ ٹائیٹل پر " از علامہ محمد حنیف ندوی " لکھا ہے ، آج کے دور میں جب کہ لفظ "علامہ " "وبال جہل و نادانی" بن چکا ہے مجھے یہ لفظ نہ جچا ۔ لفظ "علامہ" کا ایک پس منظر اور پیش منظر ہے ، لیکن اس دور کے خصوصی حالات میں بعض الفاظ کی طرح لفظِ "علامہ" بھی رسوا ہوا اور بہت بری طرح ۔ شاید ہمارے محترم شاعر اکبر الہ آبادی نے اسی لیے کہا تھا :

مشرقی و مغربی علم حاصل کر مگر
بن کے علامہ وبالِ جہل و نادانی نہ بن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان تفسیری نوٹس کے سلسلے میں مولانا ندوی نے جن مجموعہ ہائے تفسیر و حدیث سے مدد لی ہے ان کے نام ٹائیٹل پر مرقوم ہیں، اُن میں قدیم وجدید تفاسیر بھی ہیں اور حدیث کے مستند مجموعے بھی۔ مولانا نے آیاتِ قرآنی سے جو مجموعی مطلب اخذ کیا ہے اسے نہایت خوبصورتی سے جامع الفاظ میں لکھ دیا ہے۔ کتب حوالہ یہ ہیں۔ تفسیر خازن، روح المعانی، کبیر رازی، ابن جریر، درّ منثور، ابن کثیر، مدارک، مسند حاکم، بزار، اسباب النزول سیوطی، حقّانی، خلاصۃ التفاسیر، موضح قرآن، حسینی، بیان القرآن اور صحاح ستہ سمیت متعدد کتب حدیث۔

تفسیر کے ساتھ منشی عبد الرحمٰن صاحب طارق کا قیمتی مقدمہ قرآن پاک کی افادیت اور اس کے علمی مباحث پر ہے اور اردو تراجم پر ایک مضمون مولوی مشرف علی صاحب کا مقدمے کے ساتھ ملحق ہے۔ جو خصوصیات ان نوٹس کی درج ہیں وہ ملاحظہ فرمائیں۔ اور یہ نوٹ فرمالیں کہ یہ خصوصیات واقعتہ موجود ہیں، محض یہ نہیں کہ اُنھیں زیب قرطاس کردیا گیا، اور ایسا عام ہوتا ہے، لیکن یہاں معاملہ یہ ہے کہ ہر صفحے پر یہ خصوصیات جلوہ گر ہیں۔

۱۔ ہر صفحے کے اہم مضامین کی تبویب اس طرح ہے کہ متعلقہ آیت کا مرکزی موضوع سرخی سے متعین کردیا گیا ہے۔

۲۔ انداز غایت درجہ محققانہ ہے۔ اور یہ بات ہر اس شخص پر واضح ہے جو ہمارے مولانا کے انداز نگارش سے واقف ہے، کمزور اور بودی بات ان کے قریب پھٹکتی ہی نہیں۔

۳۔ عصری علوم و معارف سے جگہ جگہ استفادہ کیا گیا ہے اور اس کا احساس ہر قاری کو ہوگا۔

۴۔ تصوف و کلام کے معارفِ تفسیری کا مولانا نے خوب استیعاب کیا ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ تصوف کے لطائف اور اس کے حکم و اسرار کے بغیر فقہی پابندیاں ایک بوجھ بن جاتی ہیں، جس طرح کہ تصوف فقہ وتشریع کے بغیر الحاد بن جاتا ہے، تو گویا تصوف فرائض وارکان اسلام کی باطنی روح ہے۔ ہمارے مولانا اسلام کی اس لازوال خوبی سے خوب واقف ہیں اور اُنھوں نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "تعلیمات غزالی" اسی انداز سے لکھی ہے کہ اپنے ممدوح امام غزالی کی وہ خصوصیت سامنے آسکے کہ اُنھوں نے فقہ کی تفصیلات کو تصوف کے رنگ میں کس طرح بیان کیا ہے۔ یہ کتاب ادارہ ثقافت اسلامیہ نے شائع کی ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن میرے سامنے ہے جو ۴۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احکام کے اسرار و حکم کی عجیب داستان یہ کتاب ہے جس کے مقدمے میں مولانا نے تصوف اور اس کی تفصیلات پر مفصل گفتگو کی ہے۔

آج کے بوڑھے مولانا ندوی عنفوان شباب میں قلبی واردات سے بھی شناسا تھے اور انھوں نے کلام الٰہی (جو تمام علوم کا سرچشمہ ہے) کی آیات میں یہ کھوج لگایا ہے۔ گویا حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی جیسے صوفی منش بزرگ کی تفسیر بیان القرآن میں مسائل سلوک کی بحث کی طرح مولانا ندوی کی تفسیر میں بھی یہ حصّہ وافر انداز میں موجود ہے۔ حدیث جبریل علیہ السلام کی احسانی کیفیات بھی مولانا نے خوب واضح کی ہیں ۔ یہ الگ بات ہے کہ یار لوگ انھیں "صوفی" نہ مانیں ۔ رہا کلام کا مسئلہ تو بہ بداہت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اسلامی نظام حیات کا یہ اہم شعبہ ہے ۔ اس شعبے میں مولانا کی کمال درجے دسترس کا اندازہ " مقالات الاسلامیین " کی ترجمانی و تفہیم سے ہوتا ہے جو متکلم اسلام علامہ ابوالحسن اشعری کی کتاب ہے اور جسے مولانا نے اس طرح اردو کے قالب میں ڈھالا ہے کہ وہ ان کی مستقل تصنیف نظر آتی ہے ادارہ ثقافت اسلامیہ کے نوٹ کے مطابق " ابوالحسن اشعری وہ بزرگ تھے جو چالیس برس مسلسل اعتزال وجہمیت کی سازشوں اور فتنہ سامانیوں کا شکار رہے لیکن اپنے لیے فکر و تعمق اور اجتہاد و کلام کا ایک علیحدہ دبستان سجایا۔ اس دبستان علمی کی داستان یہ کتاب ہے ۔ مولانا نے اسے " مسلمانوں کے عقائد و افکار" کے عنوان سے تیار رنگ دیا، لیکن اس معاملے میں بھی ان کی نگاہ بنیادی طور پر وہیں ہے جس کا قرآن حکم دیتا ہے اور اس کی جھلک بھی ان کی تفسیر میں نظر آتی ہے ۔

۵ ۔ ادبی ولغوی نکات و کلمات کا تذکرہ آپ کو مولانا کی اس تفسیر میں جا بجا ملے گا۔ حلّ لغات کا مستقل حصّہ ہے اور گویا قرآن کے اعجاز کا منہ بولتا ثبوت ۔ ! کسے معلوم نہیں کہ اہل عرب زبان وبیان کے زعم میں باقی ساری دنیا کو عجمی کہتے تھے ۔ قرآن نے جہاں ان کے عقائد باطلہ، اعمال فاسدہ اور اخلاقِ رذیلہ پر تبر چلایا اور گمراہی و ضلالت کی اتھاہ وادی میں گھرے ہوئے لوگوں کو جھنجھوڑا اور اس ماحول سے انھیں نکالا، وہاں زبان و ادب کے اعتبار سے جو نقش اس نے قائم کیا اس کا اندازہ ان تفسیری روایات سے ہو سکتا ہے جن کے مطابق صنادید و کفار قریش رات کی تاریکی میں چھپ چھپ کر محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان مبارک سے کلام الٰہی سنتے اور " ماھذا کلام البشر" کی حقیقت ان کی زبان پر ہوتی ۔ مولانا کا اعلان ہے کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اس کا مطالعہ کرنے والا محسوس کرے گا کہ قرآن دُنیائے ادب میں سب سے عمدہ اضافہ ہے۔"

۶ ۔ زندگی کی گاڑی رواں دواں ہے ۔ نت نئے مسائل اُبھرتے ہیں اور نت نئی تعبیرات ۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ان سب کا حل قرآن میں ہے، لیکن اس دعوے کو دلائل سے مبرہن کرنا ہر کسی کا کام نہیں، یہ سعادت انہی کو نصیب ہوتی ہے جو قسامِ ازل کی فیاضیوں سے ایک خاص انداز سے بہرہ ور ہوتے ہیں ۔ مولانا پر ان کے رب کا خاص کرم ہے کہ اُنھوں نے تفسیر کے اوراق میں جدید مسائل کی وضاحت کی، لیکن اس طرح کہ مذہب و مسلکِ اسلاف کا تفوق و برتری برابر قائم ہے ۔ اسلاف کی فہرست میں سب سے پہلا نام حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم کا ہے جو چشمہ نبوت سے براہِ راست فیض یافتہ تھے، جنھوں نے اپنے قلبی شکوک و شبہات کے کانٹے سرکارِ دوعالم کی مجلس پاک میں بیٹھ کر نکالے، جنھوں نے جبریل و محمد علیہما السلام کی زبان سے کلامِ الٰہی سُنا ہی نہیں، اس کی تعبیرات، تشریحات اور توضیحات کا درس اس محمد عربی سے لیا جسے اللہ تعالیٰ نے "بیان" کی ذمہ داری سونپی تھی، لیکن اس طرح کہ پہلے جبریل خود بیان کرتے، پھر اسے آپ ﷺ دُہراتے ۔

ان حضرات کی صداقت شعاری اور علومرتبت کی خود اللہ تعالیٰ نے شہادت دی، اللہ تعالیٰ کے رسول نے شہادت دی ۔ ان کے قلوب کو تقویٰ و ایمان کے لیے منتخب کرکے ہر قسم کے عصیان سے محفوظ کر دیا گیا ۔ اُنھوں نے قرآن پڑھا، سیکھا اور پھیلایا، پھر نسلاً بعد نسلٍ یہ امانت منتقل ہوئی ۔ اس امانت پر اعتماد مسلمان کا سرمایہ ہے، اور اس سے انحراف ضلالت و غوایت ۔ اس شاہراہ سے انحراف کرکے جو کاوش ہوگی اسے تفسیر نہیں تحریف کہا جائے گا ۔ مولانا ندوی نے ان تمام امور کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے اور تفسیر کے ہر مقام سے یہ حقیقت نمایاں ہے کہ مفسر کے نہاں خانہ دماغ میں یہ جذبہ شدت سے کارفرما ہے کہ ہر بات منشائے ربانی سے ہم آہنگ ہو ۔ بعض لوگوں نے اپنے سیاسی افکار اور مزعومات کے لیے اس کتابِ مقدس کو نشانہ بنایا، گروہی عصبیتوں نے ایسے لوگوں کو بھی "مفسرین" کی صف میں لا بٹھایا جنھوں نے قرآن کی من مانی تفسیر کی ۔ مولانا ندوی کا کوئی گروہ ہے نہ جتھہ، پارٹی ہے نہ حزب، وہ اوّل آخر فقط مسلمان ہیں ۔ حزب اللہ کے فرد، جماعت حقہ اور طائفہ مقدسہ کی ایک کڑی ۔ ان کے تفسیر کے دس بارہ ایڈیشن چھپے اور نکل گئے تو یہ اسی کا کرم ہے جس کی کتابِ مقدس کی اُنھوں نے خدمت کی ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برِعظیم پاکستان وہندوستان میں دوسری زبانوں میں تراجم قرآن کی باقاعدہ تحریک حضرت الامام شاہ ولی اللہ الدہلوی سے شروع ہوتی ہے، اور اردو ترجمے کے معاملے میں ان کے فرزندانِ گرامی شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین رحمہما اللہ سرِ فہرست ہیں۔ شاہ عبدالقادر کا تفسیری کارنامہ بھی ہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی کا مقولہ بڑا مشہور ہے کہ قرآن کا نزول اردو میں مقدر ہوتا تو شاہ عبدالقادر کا اسلوب ہوتا۔

حواشی کے سلسلے میں مولانا شبیر احمد عثمانی کا نام بڑا روشن ہے۔ ان کے استاذ، استاذ الہند، شیخ العالم مولانا محمود حسن دیوبندی کے حواشی ابتدائی سورتوں کے بعد رہ گئے تو روزنامہ مدینہ بجنور کے مالک و ایڈیٹر مولانا محمد مجید حسن نے ان کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا، اس کے لیے قرعۂ فال مولانا شبیر احمد عثمانی کے نام پڑا۔ مولانا نے نمونے کے طور پر لکھا تو محمد مجید حسن نے اسے تفسیر کہہ کر اختصار کی درخواست کی۔ علامہ عثمانی نے مصدقہ روایات کے مطابق ۲، ۲ صفحے کا مضمون چند چند سطروں میں سمیٹا۔ یہ تفسیری حواشی اپنا ایک مقام رکھتے ہیں، ان کی قبولیت کا اندازہ کرنا مشکل ہے، بارہا یہ چھپے اور مسلسل چھپ رہے ہیں، ہر ذی شعور اور سنجیدہ شخص ان سے استفادہ کرتا ہے، ان کا ترجمہ حکومت افغانستان نے فارسی میں کرا کے چھاپا۔ اس کے متعدد ایڈیشن مختلف سائزوں میں طبع ہوئے۔ اپنے مزاج و افتاد کے باعث مولانا ابوالکلام آزاد کی قرآنی خدمت ایک شاندار کارنامہ ہے، اِدھر اُدھر سے ہٹ کر نفسِ قرآن کی تفہیم مولانا آزاد کا طرۂ امتیاز ہے۔ مولانا عبدالسلام نیازی کہتے ہیں:

"ابوالکلام جبریل امین کی زبان بولتے ہیں۔"

المیہ یہ ہے کہ ابوالکلام کی بار بار جیل اور نظر بندیوں نے اس کا مسودہ تین بار ضائع کرایا اور اشاعت کی نوبت آئی تو ابتدا میں معاملہ سورۂ مومنون کے آخر تک تھا، سورۂ نور کا مسودہ بعد میں ملا جو ساہتیہ اکادمی دہلی کے ایڈیشن میں مالک رام صاحب نے شامل کر دیا اور اب پاکستان میں بھی چھپ گیا ہے۔ پہلے ایک صاحب نے بتایا کہ ایبٹ آباد کے مشہور بزرگ ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی کے نام ہندوستان سے مولانا محمد شعیب عمری کا گرامی نامہ آیا ہے جس میں یہ مژدہ جانفزا ہے کہ مولانا کے مسودات مع مکمل مسودہ تفسیر کا سراغ مل گیا ہے، اللہ کرے کہ ایسا ہو اور جلد سے جلد یہ شاہکار چھپ کر سامنے آجائے۔ پاکستان میں باقیات ترجمان القرآن اور اس کی تکمیل کے سلسلے میں کئی کوششیں ہوئیں لیکن وہ بات کہاں؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد اسحٰق بھٹی صاحب راوی ہیں کہ مشہور بزرگ ملک حسن علی صاحب جامعی (شرق پور) نے میرے ذریعے مولانا ندوی کو پیغام بھجوایا کہ ابوالکلام علیہ آشیانی کے ادھورے کام کی تکمیل کا استحقاق صرف مولانا محمد حنیف ندوی کو ہے، اور یہ کہ میری طرف سے انھیں عرض کریں کہ وہ یہ اہم کام کردیں ۔ نامناسب نہ ہوگا کہ خدامِ قرآن اور بلانوشانِ محبت کے ایک بڑے قافلے کی ترجمانی کرتے ہوئے مولانا ندوی سے اس کام کی تکمیل کی درخواست کی جائے ۔

ایمان داری کی بات یہ ہے کہ آپ مولانا ندوی کی تفسیر دیکھیں تو آپ کو مولانا آزاد کا عکسِ جمیل نظر آئے گا ، ملک عبدالرؤف صاحب کی عنایت سے جو جُزء مجھے ملا اس کے چند مقامات سے نمونے کے طور پر بعض سطور شاملِ مقالہ کررہا ہوں تاکہ مولانا کی قرآنی خدمت کا کچھ عکس قارئین کرام کے سامنے آسکے۔ اللہ کرے کہ ملک عبدالرؤف صاحب پروگرام کے مطابق یہ تفسیر جلد چھاپ دیں ۔

سب سے پہلے سورۂ نور کی آیت ۳۵ اللہ نور السموات والارض ملاحظہ فرمایئں ۔

مولانا نے اس پر عنوان قائم کیا ——— اللہ نور ہے ——— اور پھر لکھا :

اللہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح ۔

" ان آیات میں اللہ تعالیٰ کو آسمانوں اور زمینوں کے نور کے ساتھ تشبیہہ دی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے ، جس میں یہ چراغ ہے اور چراغ ایک قندیل میں ہے ، اور قندیل ایسی صاف اور چمکدار ہے، گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارا ہے ۔ اس میں برابر یکساں روشنی ہے، نہ شرقی ہے اور نہ غربی ۔ تیل اس طرح کا مصفّا کہ بغیر آگ جلنے کے تیار ہے ۔ ظاہر ہے کہ ایسی روشنی تیز ہوگی ، واضح ہوگی ، دُور تک پہنچنے والی اور پاکیزہ ہوگی ۔ پس اپنے نور سے جسے چاہتا ہے ، سیدھا راستہ دکھلاتا ہے، کیونکہ اللہ کی ذات ہر قسم کی تشبیہہ سے پاک ہے ، لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ۔ چنانچہ آیت کے اختتام پر ارشاد ہے ۔ یَہْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ۔ یعنی اس کا پیغام بہت روشن ہے ، منوّر ہے ، تابناک ہے ، اور گمراہیوں اور ظلمتوں کی تاریکیوں کو دور کرنے والا ہے ۔ جس کو چاہتا ہے اُس نور سے کسبِ ضو کا موقع دیتا ہے ۔ وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ، اور اللہ تعالیٰ ان تشبیہات کو مثال کے طور پر بیان کرتا ہے تاکہ اہل علم اکتساب معرفت کرسکیں ، اور وہ ہر چیز سے آگاہ ہے ۔

ہوسکتا ہے نور سے مراد یہ ہو کہ اللہ اپنی کائنات کے لیے مدبّر ہے ، باعث رونق ہے ، روشنی ہے ؛

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جریر کہتا ہے۔ وَاَنْتَ لَهَا نُوْرٌ وَغَيْثٌ وَعِصْمَةٌ ۔

امکان یہ ہے کہ جس طرح نور اور روشنی سے تمام اشیا متجلی ہو جاتی ہیں، اور سب کچھ نظر آنے لگتا ہے، اسی طرح اللہ زمین و آسمان کے لیے بمنزلہ نور کے ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کو نہ تسلیم کیا جائے تو پھر کائنات کا نظام درہم و برہم ہو جاتا ہے اور ہر طرف تاریکی ہی تاریکی دکھائی دیتی ہے اور انسان علل و معلولات کے غیر متناہی سلسلے میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ ع

بحث میں علّت و معلول کی ہر عقل علیل

اور اگر اس پر ایمان رکھا جائے، اور اُس کی ذات کو خالق اور رب مان لیا جائے تو کائنات کی تمام گتھیاں سلجھ جاتی ہیں اور کسی گوشے میں تاریکی نہیں رہتی۔

وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ" میں قرآن حکیم نے ایک ایسی حقیقت کو بیان کیا ہے جس کا اظہار آج چودہ سو سال بعد ہوا ہے۔

غور فرمایئے، عربی لٹریچر میں چراغ کے لیے کوئی لفظ موجود نہیں، چنانچہ مصباح خالص عربی اشتقاق کی رو سے صحیح نہیں، یہ حبشی زبان کا لفظ ہے۔ سراج فارسی سے معرب کیا گیا ہے۔ یہ اس لیے کہ عربوں کا تمدن بہت سادہ تھا اور وہ کھلے میدانوں اور خیموں میں رہتے تھے اور روشنی کے لیے وہ آگ کو کافی سمجھتے تھے، مگر قرآن ایک ایسی تیز اور صاف روشنی کا تخیّل پیش کر رہا ہے جو شیشے میں ہے، اور سب طرف برابر نور پھینک رہی ہے۔ نہ شرقی ہے، نہ غربی۔ جس میں ایسا تیل ہے جو بغیر آگ دکھانے کے جلتا ہے۔ غور کیجیے کیا یہ بجلی اور قمقمے کا اولین تصوّر نہیں؟ اور اگر یہ صحیح ہے تو پھر یہ علم اور بالغ نظری کیا کسی انسانی کلام میں ہو سکتی ہے؟"

یہ آیت کریمہ قرآن عزیز کی مشکل ترین آیات میں شمار ہوتی ہے، لیکن مولانا نے اسے جس طرح خوب صورت انداز میں حل کیا ہے وہ انہی کا کام ہے۔ صفحہ ۲۳۵ پر ایک عنوان ہے۔ "حضور کی سیرت کے دو پہلو"۔

سورۃ الحجر کی آیت ۸۸ ہے، جس کا ترجمہ ہے:

"ان کافروں کو جن کو کئی طرح کی نعمتوں کے ساتھ ہم نے بہرہ مند کیا ہے، تو (اے محمدؐ) اپنی آنکھیں ان نعمتوں کی طرف نہ پسار اور ان پر غم نہ کر اور اپنے بازو مومنین کے لیے جھکا۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب اس آیت پر مولانا ندوی کا نوٹ دیکھیے اور خاص طور پر ابتدائی الفاظ پر غور فرمایے۔ مولانا لکھتے ہیں۔

"قرآن حکیم کے جس قدر احکام میں حضورؐ کو مخاطب کیا گیا ہے، اس کے معنے یہ ہیں کہ حضورؐ کے عمل کی یہ تصویر ہے، اور امّت کو اُن کے اسوہ کی تلقین کی گئی ہے"۔

اس آیت میں حضورؐ کی سیرت کے دو پہلو بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ دنیا کے تکلفات پر ریجھے ہوئے نہیں، طبیعت میں انتہا درجے کا استغنا ہے۔ اور ایک یہ کہ آپ مسلمانوں کے لیے آیۂ رحمت ہیں، آپ کے دل میں اُمّت کے لیے شفقت کا بے پناہ جذبہ موجزن ہے:۔

غور فرمایے۔ حضور دعوت عام دے چکے ہیں، مخالفت کی آگ بھڑک چکی ہے۔ لوگوں نے ابوطالب سے کہا، اپنے بھتیجے کو سمجھالو، ورنہ ہم تم سے بھی تعرض کریں گے۔ ابوطالب نے آکر حضور کو حقیقتِ حال سے آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا۔ چچاّ! اگر وہ میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب رکھ دیں، جب بھی میں دعوتِ توحید سے نہیں رُک سکتا۔ کس قدر استغنا ہے۔ قوم سونے چاندی کے ڈھیر نذر کرتی ہے، حسین و جمیل رشتے پیش کیے جاتے ہیں، مگر حضور آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ رحمت و رافت کا یہ عالم ہے کہ وہ لوگ جو منافق ہیں، آپ کو تکلیفیں پہنچاتے ہیں۔ اُن سے ہر طرح اغماض وچشم پوشی کرتے ہیں۔ عبداللہ ابن ابیّ مرتا ہے، تو آپؐ پیراہن مبارک تبرّک کے لیے بھیج دیتے ہیں۔

غور فرمایے قرآن کے حوالے سے سیرت طیبہؐ کی اتنی دل نشین اور جامع تشریح کہاں نظر آئے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے رسول علیہ السلام کی سیرت کا اصل ماخذ ہی قرآن ہے۔ اسی لیے مولانا ابوالکلام نے شبلی مرحوم کو اس طرف توجہ دلائی اور جب شبلی کی حیات مستعار نے ایسا موقع فراہم نہ کیا تو مولانا خود متوجہ ہوئے، وہ مربوط انداز سے یہ کام نہ کر سکے، لیکن ان کے مقالات اور نوٹس مولانا غلام رسول مہر نے مرتب کر کے قرآن کے حوالے سے نبی کریم علیہ السلام کی مبسوط سیرت پیش کر دی۔ یا پھر مولانا عبدالماجد کے وہ لکچر ہیں جو مدراس میں دیے گئے۔ "سیرت نبوی قرآنی" ان کا عنوان ہے۔ مولانا آزاد کے سیکرٹری اجمل خاں کی مبسوط کتاب اس عنوان پر "سیرت از روئے قرآن" پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کے پاس میں نے دیکھی۔ محمد اسحاق صاحب بھٹی کا بیان ہے کہ اکسٹھ اقساط میں مولانا ندوی کا مفصل مقالہ "چہرۂ نبوت قرآن کے آئینے میں" الاعتصام میں چھپا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب بھٹی صاحب الاعتصام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ایڈیٹر تھے۔ اللہ کرے کہ وہ کتابی شکل میں سامنے آجائے۔

اس موقعے پر سورہ کہف کا وہ نوٹ بھی دیکھ لیں جو آیت ۲۸ کے ضمن میں لکھا گیا ہے۔ اس آیت میں اللہ رب العزت نے اپنے رسول کو ان مظلوم صحابہ کے ساتھ وابستہ رہنے کی تلقین و تاکید کی ہے جو صبح و مسا حمد باری بیان کرتے اور اس کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ کفار کا مطالبہ کہ ہماری بات سننے اور اپنی بات ہمیں سنانے کی غرض سے ان صحابہ سے کچھ وقت علیحدگی ضروری ہے۔ قرآن کی بات اپنی ہے، وہ جہاں فدایانِ رسالت کی فداکاری و جاں سپاری کو آیت کے بین السطور میں پیش کرتا ہے، وہاں بقول مولانا ندوی اس "پیغمبر مساکین" کا کردار بھی سامنے آتا ہے کہ اس کی صبحیں اور شامیں گزرتی ہیں تو انھی کے ساتھ جو دنیوی اعتبار سے مفلوک الحال سہی لیکن ہیں تو "لو اقسم علی اللہ لابرّہ" کے مصداق ـــــ "پیغمبر مساکین" مولانا کا قائم کردہ عنوان ہے۔ ملاحظہ فرمایے (ص ۷۰۹)

" قرآنِ حکیم میں بعض باتیں بصیغۂ امر ادا کی گئی ہیں، مگر اس سے مراد خبر ہے اور ایک واقعہ کا اظہار ہے، اور اُس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ یہاں بھی بالکل یہی اندازِ بیان ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضور شاید ان عام لوگوں میں اُٹھنا بیٹھنا پسند نہ فرماتے تھے، جو غریب اور مفلس تھے۔ اور قرآنِ حکیم میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے، آپ ان لوگوں کے ساتھ رہنے میں کوئی عار محسوس نہ کریں۔ حالانکہ واقعہ بالکل اس کے خلاف ہے۔ بات یہ ہے کہ حضورؐ ہمیشہ ابوذر، سلمان فارسی، اور اس قسم کے غریب اور مخلص عقیدت مندوں میں بے تکلفی سے بیٹھتے اور ان میں صبح و شام وقت گزارتے، امرا کو ناگوار تھا کہ وہ اس حالت میں آپ سے ملیں۔ چنانچہ وہ کہتے کہ جناب ہم اس حلقے میں بیٹھ کر آپ سے گفتگو نہیں کرسکتے، ان کے کپڑوں سے بو آرہی ہے اور ہماری طبیعت میں تکدر پیدا ہوتا ہے، آپ بھی ان سے الگ ہوجایئے۔ مگر وہ پیغمبر جو افلاس و فقر کو اعزاز بخشنے کے لیے آیا تھا کیونکر اُن کی باتوں کو مان لیتا۔ قرآن کی زبان میں اُن کو بتایا گیا کہ گو یہ مفلس ہیں، مگر دولتِ ایمان سے ان کے دل مالا مال ہیں۔ ان کے کپڑوں سے گو تمھیں بو آتی ہے مگر دل ذکرِ خدا سے مہک رہے ہیں۔ یہ مخلص ہیں، خدا پرست ہیں، تم انھیں حقیر سمجھو، تمھیں اختیار ہے۔ مگر قدرت کی جانب سے یہ طے شدہ امر ہے کہ یہی لوگ دُنیا میں انقلاب پیدا کریں گے۔ تم حرص و ہوا کے بندے ہو، تمھارے دلوں پر غفلت کے حجاب پڑے ہوئے ہیں۔ تم اسلام کی برکات سے استفادہ نہیں کرسکتے۔ تم جب تک دُنیا کی ان کثافتوں میں پڑے ہوئے ہو، صحبتِ نبویؐ سے فیض یاب نہیں ہوسکتے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور تم ہرگز اس قابل نہیں ہو کہ پیغمبر مخلص مساکین کو چھوڑ کر تم مغرور اور متکبر انسانوں کے ساتھ بیٹھے اُٹھے"۔

اور ان اصحاب تقویٰ و ایمان صحابہ کرام کا تذکرہ اور ان کے حق میں غیرتِ الٰہی کا ظہور اسی پر بس نہیں، سورۂ نور کی مشہور آیت استخلاف کا مطالعہ بھی مفید ہوگا جس میں ایسے وقت میں ان حضرات کو حکومت و اقتدار بخشنے کا وعدہ ہوا جب ان کے متعلق عام سے سکون کا تصور تک نہ تھا۔ کفر زیر لب خنداں تھا لیکن غیرتِ الٰہی کا اعلان اپنی جگہ اٹل تھا ـــ اس تاریخی صداقت میں چھپی ہوئی روح اب بھی قائم اور زندہ ہے اور ہر وہ شخص اور طبقہ جو اپنی زبوں حالی پر پریشان ہے اسے " استفت قلبک " کہہ کر جھنجھوڑ رہا ہے کہ یہ تو بتاؤ، تمھیں اپنی پریشانیوں، اقتدار و استحکام سے محرومی اور باطل قوتوں کے عروج کا بڑا صدمہ ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ متاعِ ایمان اور دولتِ ایقان جس پر اس الٰہی انعام کا وعدہ ہے، اس کی صورت کیا ہے ؟

آیت استخلاف کا نمبر ۵۶ ہے اور جیسا کہ عرض کیا یہ سورۂ نور میں ہے ـــ اس سے قبل کی آیت ۵۵ میں اطاعتِ رسول کا ذکر ہے ـــ حقیقت یہ ہے کہ دارین کی سعادتوں جن میں استخلاف فی الارض بھی شامل ہے، کا انحصار اطاعتِ رسول پر ہے، اس پر مولانا کا نوٹ پہلے ملاحظہ فرما کر پھر اس سے متصل اگلا نوٹ بعنوان " استخلاف فی الارض کا وعدہ " ملاحظہ فرمائیں۔

اطاعت رسولؐ

" قرآن حکیم نے بار بار اطاعتِ رسول کو بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اس اسوۂ کامل کی تقلید کرے اور اپنی زندگی کے لیے مشکوٰۃ نبوت سے کسبِ انوار کرے، کیونکہ پیغمبر ہی دُنیا میں محاسن اور کمالات کا پیکر ہوتا ہے اور اس سے بے نیازی اللہ کے دین سے کفر کے مترادف ہے۔ چنانچہ اِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا کہہ کر اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ دُنیا میں اللہ کی فرمانبرداری اور اُس کی اطاعت شعاری کے معنے بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ عظمتِ رسول کو سمجھو اور اُس کے مقام رفیع سے واقف ہو تاکہ تم ہدایت حاصل کر سکو۔"

استخلاف فی الارض کا وعدہ

" دین کے معنے اسلامی نقطہ نگاہ سے کامیابی کے کامل پروگرام کے ہیں، اس لیے جو لوگ صحیح معنوں میں مومن ہوں گے اور ان کے اعمال اللہ کے تجویز کردہ پروگرام کے ماتحت ہوں گے، ان کا دُنیا و آخرت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کامیاب ہونا یقینی اور حتمی ہے۔ اس آیت میں قرآن نے اسی اصول کی جانب رہنمائی فرمائی ہے۔ ارشاد ہے کہ مومنین سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اُنھیں خلیفہ فی الارض یعنی ملک کا حاکم بنایا جائے گا، اُنھیں دُنیا کی تمام نعمتوں سے نوازا جائے گا اور ان کے سر پہ تاجِ خسروی رکھا جائے گا، اور ان کے لیے یہ مقدرات میں سے ہے کہ جب تک اسلام کی پوری پابندی کرتے رہیں، اُس وقت تک دُنیا کی قیادت کریں، سب سے بلند رہیں اور اللہ کے فضل سے ساری کائنات پر حکومت کریں۔

کیونکہ اسلام کے لائحہ عمل میں ایسے رفعت آگیں اور تفوق آفریں اصول داخل ہیں کہ ان پر عمل پیرا ہونے کا یہی قطعی اور منطقی نتیجہ ہے جو مذکور ہُوا، اور یہ صرف نظریّہ ہی نہیں، بلکہ اسلام کی ساری تاریخ اس پر شاہد عدل ہے۔ دیکھ لیجیے جب تک مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان رہے، ان کے دلوں میں احساس عزّت کا جذبہ موجزن رہا، اسلام کے حاکمانہ اُصول ان کی زندگی میں کار فرما رہے۔ اور جب تک اُنھوں نے قیادت و رہنمائی کے منصبِ جلیل پر اپنے کو فائز رہنے کا حق دار سمجھا، تب تک حاکم رہے، عزّت و اقتدار کے مالک رہے اور رونقِ اورنگ و تاج رہے، اور جب مذہب کے معنی ان کے ہاں خشک قیود اور بے رُوح رسموں کے ہوتے اور محض انتساب کو باعثِ فخر و مباہات سمجھا گیا تو اس وقت سے ذلتِ و ادبار کا دورِ مشئوم شروع ہوا۔ ورنہ مسلمان اور غلامی، مسلمان اور افلاس، مسلمان اور ذلّت و تحقیر۔ شیّان یستفرقان ای تفرق۔ یہی نسخہ کیمیا تو تھا جس نے مریض عربوں کو صحت و توانائی بخشی، جس نے زیر دستوں کو زبردست بنا دیا۔ جس کی وجہ سے جہالت تعلیم سے بدل گئی اور بداخلاق قوم سرخیلِ رُوحانیات ٹھہری۔ یہی تو وہ اسلام ہے جس کی وجہ سے مٹھی بھر مسلمان کائنات پر چھا گئے اور لوگوں کی راہ نمائی کرنے لگے۔ پھر آج اگر ہم میں ذہنی افلاس اور تعطل موجود ہے تو اسلام اور قرآن اس کا ذمّے دار نہیں۔ بلکہ اس کی ساری ذمّے داری ہمارے اپنے اعمال اور کردار پر عائد ہوتی ہے۔

وعدۂ استخلاف کے بعد اس آیت میں نہایت جامعیّت کے ساتھ وہ پروگرام بتلایا ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے خلافت و نیابتِ الٰہیہ کا منصب حاصل ہو سکتا ہے، اور وہ پروگرام نماز اور زکوٰۃ کی تنظیم ہے۔ رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ مسلمان اگر نماز کی رُوحانی و اجتماعی برکات سے آگاہ ہو جائیں اور زکوٰۃ کی تنظیم کر لیں اور یہ طے کر لیں کہ ان کی زندگی اسوۂ رسول کے مطابق ہو گی تو یقین جانیے، آج ہی ان کی ہر قسم کی ذلّتیں اور نحوستیں، عزّتوں اور سعادتوں سے بدل سکتی ہیں۔"

استخلاف فی الارض والی آیت کے ساتھ ہی اگلی آیت میں وہ پروگرام ہے جس پر عمل پیرا ہونے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا نتیجہ خلافت و نیابت الٰہیہ کا حصول ہے۔ اسے ہی بعنوان دیگر "اسلامی حکومت" کہا جاتا ہے۔

آج جو صورتِ حال رونما ہے وہ بڑی المناک ہے، خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد مسلمانوں کا کوئی اجتماعی پلیٹ فارم نہیں۔ پوری قوم ٹکڑیوں میں بٹی ہے۔ انتشار و افتراق اس کا مقدر ہے اور اسلامی روایات سے انحراف کا تماشہ عام۔ جہاں کہیں اسلامی حکومت و نظام کی بات ہے وہ اور زیادہ المناک ہے، مزید ستم یہ ہے کہ بیگانوں اور ان کے ساتھ احساس کہتری کا شکار اور مرعوبیت کی دلدل میں پھنسے ہوئے اپنے "اسلامی حکومت" کے عنوان سے اس درجے خائف ہیں کہ توبہ بھلی۔ ان کا اس ضمن میں عجیب پروپیگنڈا ہے، وہ کہتے ہیں اس سے آزادیٔ رائے و ضمیر ختم ہوگی، ہاتھ کٹ جائیں گے، کشتوں کے پشتے لگ جائیں گے، گلی گلی دُرّے سے لوگوں کو پڑتے ہوں گے، حالانکہ اسلامی حکومت نام ہے عدل و انصاف کے قیام، نیکی کے عروج اور بدی کے زوال کا، اور یہ مسلمان ہی نہیں ہر انسان کی ضرورت ہے

الحج کی آیت ۴۱ اس ضمن میں قابلِ توجہ ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○

وہ لوگ کہ اگر ہم زمین میں اُنھیں مقدور (یعنی طاقت) دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں، اور بھلائی کا حکم کریں، اور بُری بات سے منع کریں، اور سب معاملات کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اس پر مولانا کا نوٹ ملاحظہ فرمائیں۔ کتنی خوبصورتی سے بات سمجھائی کہ بھائی اس نظام سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تو عدل و دین داری کی معراج ہے اور اس میں سب کا بھلا ہے۔

"جو لوگ اسلامی حکومت کے تخیّل سے خائف ہیں، اُن کو اس آیت پر غور کرنا چاہیے۔ ارشاد ہے کہ ہم مُسلمانوں کو جب تمکّن فی الارض کی نعمت عطا کرتے ہیں تو دُنیا میں عیاشیاں نہیں پھیلاتے اور حرص و آز میں گرفتار ہو کر لوگوں کے مال و دولت پر ڈاکہ نہیں ڈالتے۔ وہ نہایت پاکبانہ اور خُدا پرست ثابت ہوتے ہیں۔ اُن کی زندگی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عبادتِ الٰہی کے جذبے کو عام کریں، اللہ کے سامنے جھکیں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تاکہ تمام غربا اور مساکین کی ضرورتوں کو پورا کیا جا سکے۔ وہ ہر نیکی کو پھیلاتے ہیں اور ہر بُرائی کے خلاف جہاد کرتے ہیں، ان کا طرزِ حکومت نہایت عادلانہ اور دین دارانہ ہوتا ہے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام اور اسلامی روایات میں "جہاد" کا اطلاق ہر اس محنت و کاوش پر ہوتا ہے جو خیر کے غلبے اور بلندی کے لیے کی جائے۔ بُرا ہو حسد و عناد کا کہ اس کے بل بوتے پر یاروں نے خوں ریزی کا نام "جہاد" رکھ کر اسلام کو بدنام کرنا چاہا۔ اس کے رد عمل کے طور پر مسلمانوں میں بدقسمتی سے ایک طبقہ سر سے اس کا انکار کر کے حدودِ اسلام سے خارج ہوگیا۔ ایک نے من مانی تعبیرات کر کے اس کی روح مسخ کردی اور ایک نے ہر اس شخص کو بدنام کر کے جو جہاد کے میدان میں تھا غیروں کی خوشنودی کا سامان فراہم کیا۔

قرآنِ عزیز نے سورۃ الحج میں جہاد و قتال کی ابتدائی آیت میں اس کی اصل غرض نام خدا کی بلندی اور مظلوم کی دادرسی۔ نام خدا مسجد میں ہو یا کہیں اور ― ہر جگہ اس کا احترام ہے ― یہ آیت ۳۹، ۴۰ میں ہے، اس سے قبل اس قربانی کا ذکر ہے جو حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق سنۃ ابیکم ابراھیم" ہے۔ اس میں بظاہر جانور ذبح ہوتا ہے لیکن اس کی اصل روح دلوں کی حرارت و حدّت اور اپنے آپ کو من کل الوجوہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے۔

مولانا ندوی قربانی و جہاد کا جوڑ اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ گویا دونوں لازم و ملزوم ہیں اور پھر اسلامی جہاد کی حقیقی غرض بیان کر کے مخالفین و معاندین اور مستشرقین کا مُنہ بند کرتے ہیں۔ ذرا ملاحظہ فرمائیں۔ (ص ۵۵ - ۸۵۶)۔

قربانی اور جہاد

"یعنی قربانی کے عملی معنے یہ ہیں کہ دلوں میں جذبۂ جہاد موجزن ہو۔ اگر ہم ہر سال لاکھوں اور کروڑوں حیوانات کا خُون بہائیں اور قلوب میں کوئی حرارت اور کوئی جذبۂ جہاد پیدا نہ ہو تو پھر یہ عبادت سراسر بے رُوح اور بے کیف ہوگی۔

آیت میں اذن جہاد ہے، کیونکہ مُسلمانوں کی مظلومیّت حد سے بڑھ گئی۔ اب یہ ناممکن ہے کہ ان مظالم کو زیادہ دیر تک برداشت کیا جائے۔

ارشاد ہے کہ اللہ نے طے کر لیا ہے کہ مسلمانوں کی اعانت کی جائے اور مشرکین کے غلبے و استیلا کو دُور کیا جائے۔ کیونکہ مسلمان مظلوم ہیں، اور اسلام کو مظلومیّت پسند نہیں، جس طرح ظلم بُری چیز ہے اور اسلام اس کو جائز قرار نہیں دیتا ہے، اسی طرح مظلومیت بھی ناقابل برداشت ہے اور جرم ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی جہاد کی نوعیت کیا تھی، وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، اُن کو ان آیات پر غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کب اور کس وقت مسلمانوں کو جہاد کا اذنِ عام دیا۔ بے شک اس وقت اجازت دی، جب مظالم حد سے بڑھ گئے اور مکّہ کی سرزمین اُن کے لیے تنگ ہوگئی۔"

اسلامی جہاد کی غرض قیامِ عبادت ہے

"اس آیت میں بڑے واضح الفاظ میں قرآن حکیم نے بتا دیا ہے کہ اسلامی جہاد سے غرض معابدِ الٰہیہ کی حفاظت ہے۔ مسلمان اس لیے میدانِ جہاد میں قوت آزما ہوتا ہے کہ خدا پرستی کے تمام مرکزوں کو مُشرکین کے قبضے و استیلا سے پاک کردے۔ وُہ جہاد و قتال سے مادی نفع کا طالب نہیں ہوتا، بلکہ اس کے سامنے اعلائے کلمۃ اللہ کا بلند مقصد ہوتا ہے۔ وُہ اللہ کے لیے لڑتا ہے اور اللہ کے لیے صلح کرتا ہے۔ اگر مسلمان حق و صداقت کی تائید میں تلوار نہ اُٹھائے تو پھر ساری دنیا میں باطل کی حکومت ہو جائے، اور تمام مرکزوں میں جہاں اللہ کا نام لیا جاتا ہے، دیوتاؤں اور معبودانِ باطل کی عبادت ہونے لگے۔ مُسلمان امنِ عالم کا کفیل ہے۔ اس کا جہاد دوسرے مذاہب کی آزادی کے لیے بھی ہے، وہ چاہتا ہے کہ سب عبادت گاہوں کی حفاظت ہو اور سب لوگوں کو آزادی حاصل ہو کہ وہ آزادانہ طور پر اللہ تعالیٰ کو یاد کرسکیں اور اس کے نام کو بلند کرسکیں۔ البتہ اُسے یہ ناپسند ہے کہ لوگ غیر اللہ کی پرستش کریں اور بتوں اور دیوتاؤں کے نام پر معابد تعمیر کریں۔ کیونکہ ایسے مراکزِ عبادت درحقیقت جہالت و تاریک خیالی کے مدرسے ہوتے ہیں۔ یہاں انسانوں کو ذلّت و نکبت کا درس دیا جاتا ہے اور یہ بتایا جاتا ہے کہ خدا کے سوا اور ہستیاں بھی احترام و عبادت کے لائق ہیں، حالانکہ یہ بہت بڑی گمراہی اور بہت بڑا جُرم ہے، اس سے نفسِ انسانیت تباہ و برباد ہو جاتی ہے اور پھر کبھی اُبھرنے کی اُمید نہیں کی جاسکتی۔"

آج ہمارے یہاں "رجم" کا مسئلہ بلاوجہ باعثِ نزاع بنا دیا گیا ہے، اچھے بھلے لوگ ساری عمر قرآن کی خدمت میں کھپانے کے بعد یہاں آکر ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ ان کے بقول سورۂ نور میں زانی کے لیے کوڑوں کی سزا تو ہے رجم کی نہیں۔

مولانا ندوی کا گُہربار، محتاط اور ذمہ دار قلم یہاں جوئے رواں کی طرح بہتا ہے اور سورۂ نور جس اسلوب کے ساتھ نازل ہوئی، مولانا ... سزائے رجم پر گفتگو فرماتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں ۔ یقین جانیے انداز اتنا دل نشین ہے کہ دل و دماغ میں اُبھرنے والے خیالات اور وساوس ایک دم ختم ہو جاتے ہیں ۔

ص ۸۳۶ پر اس سورت کے معاملے میں اہتمام ربانی کی بات پہلے ملاحظہ فرمائیں ۔

" قرآنِ حکیم کی یہ پہلی سورت ہے ، جسے اس اہمیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے ، گو پورا قرآن اللہ کی جانب سے ہے اور مسلمانوں کے لیے اس کا ماننا اور تسلیم کرنا لازم اور ضروری ہے ۔ نیز قرآن کی ہر سورت میں آیات بیّنات کا ذخیرہ ہے ، مگر اس سورت کو ان خصوصیات کے ساتھ مختص کرنے کے معنے یہ ہیں ، کہ اس میں تمدن اور کلچر کے مسائلِ مہمہ کو بیان کیا گیا ہے اور ان معاشرتی گتھیوں کو سلجھایا گیا ہے جن کی وجہ سے قومیں ترقی اور برتری کی منزلیں طے کرتی ہیں ، اور اُنھیں فراموش کر دینے کا نتیجہ لازماً ذلّت اور ہلاکت ہوتا ہے ۔"

اس کے بعد سزائے رجم پر گفتگو ملاحظہ فرمائیں اور پھر دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کوئی اشکال باقی رہتا ہے ؟ (ص ۸۳۷)

" تمام مذاہب نے زنا کو انسانیت کے لیے بہت بڑی لعنت قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا وجود قوموں کے لیے اخلاقی تباہی کے مترادف ہے ۔ قرآن حکیم نے خصوصیت کے ساتھ اس مسئلے کی متعلقہ تفصیلات بیان کی ہیں اور اس کے ذرائع و وسائل کا استقصا و احتوا کیا ہے ۔ قرآن کی نگاہیں دوسری مذہبی کتابوں سے کہیں زیادہ عمیق ہیں ، اُس نے تمام انسانی کمزوریوں کو سامنے رکھ کر ایسے قوانین اور ضابطے مقرر فرمائے ہیں کہ ان کو ملحوظ رکھنے کے بعد زنا کا احتمال قطعاً پیدا نہیں ہوتا ۔

اس آیت میں زنا کی حدِ شرعی سے بحث فرمائی ہے ۔ ارشاد ہے کہ زانی کے سو دُرّے لگائے جائیں ، اور اس معاملے میں سوسائٹی جذبات رحم و رافت سے بالکل متاثر نہ ہو ، یہ سو دُرّے مجمع عام میں لگائے جائیں تاکہ دیکھنے والوں کو عبرت و تذکیر حاصل ہو ۔

زانی سے مُراد یہاں وہ شخص ہے جو کنوارا زانی ہو ، بیاہے ہوئے کے لیے اسلامی سزا رجم ہے ۔

خوارج نے رجم کا انکار کیا ہے اور یہ سمجھا ہے کہ یہ سزا ہر دو قسم کے زانیوں کے لیے ہے ۔ ان کے دلائل یہ ہیں ۔

۱ ۔ **الزانیۃ والزانی** میں کوئی تخصیص نہیں بلکہ عموم و استغراق مراد ہے ۔

۲ ۔ اگر رجم کی سزا مقرر و متعین ہوتی تو اس کو قرآن حکیم میں موجود ہونا چاہیے تھا ۔

۳ ۔ رجم کو ماننے کی شکل میں یہ لازم آئے گا کہ نص میں خبر واحد کی تخصیص کی جائے ، جو درست نہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض موجودہ زمانے کے روشن خیال مفسرین کے دلائل بھی تقریباً یہی ہیں۔ جوابات یہ ہیں:۔

۱۔ قرآن حکیم نے یہاں بے شک صرف الزانیۃ و الزانی کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر سنّت، تواتر اور اسلامی فیصلوں سے جو کتب فقہ اور تاریخ میں مذکور ہیں، یہ ثابت ہے کہ رجم اسلامی سزا ہے، کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ محض اس بنا پر کہ قرآن میں واضح الفاظ میں رجم کا ذکر نہیں، ہم پوری اسلامی تاریخ کو جھٹلا دیں، صحابہ کے فیصلوں کو غلط قرار دیا کریں، رسُول کے احکام کو ٹھکرائیں اور علمی و عملی تواتر کا انکار کر دیں؟

۲۔ رجم کی سزا یقیناً قرآن میں موجود ہے، مگر اس نہج پر نہیں جس طرح خوارج یا اس زمانے کے "متنوّرین" دیکھنا چاہتے ہیں، بلکہ اشارہ اور بہ سبیل استطراد قرآن میں رجم کی سزا موجود ہے۔ کیا ان کو معلوم ہے کہ عہد رسالت میں اہل کتاب سے اس معاملے میں بحث ہوئی تھی اور ان سے کہا گیا تھا کہ توراۃ لاؤ اور پڑھو، اگر تم میں صداقت ہے، تو تسلیم کر لوگے کہ اس میں رجم کی سزا کا حکم موجود ہے۔ مگر انھوں نے آیاتِ رجم کو چھپایا، اور جب حضرت عبداللہ بن سلام نے یہودیوں کی چالاکی کا بھانڈا پھوڑ دیا تو وہ نادم ہوئے، اس پر ان کے جذبۂ کتمانِ حق کے متعلق آیات کا نزول ہوا؟ کیا یہ آیتیں رجم کی تائید میں نہیں؟ مگر سوال اپنی جگہ پر ہنوز باقی ہے کہ اس قدر ضروری حکم کو قرآن نے بالتصریح کیوں ذکر نہیں کیا؟ اور صرف کنواروں کے متعلق حدِّ شرعی کے اعلان کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

بات یہ ہے کہ قرآن حکیم کا اندازِ بیان کچھ دوسری کتابوں سے مختلف ہے، اور وہ لوگ جو اس کی خصوصیات سے آگاہ نہیں ہوتے، اس قبیل کی غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

قرآن میں اکثر اُن باتوں کا ذکر ہے جو گو اپنی جگہ پر اہم نہ ہوں مگر اس لحاظ سے اہمیت رکھتی ہیں کہ وہ نئی اور جدید ہیں۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ نماز بہت اہم مسئلہ ہے اور اس کے قیام پر قرآن نے بہت زور دیا ہے۔ مگر سارے قرآن میں اس کی ترتیب اور تفصیل موجود نہیں۔ وضو اس سے کہیں کم مرتبے کی چیز ہے۔ مگر اس کی ترتیب بیان کر دی ہے۔ کیونکہ نماز کے متعلق اسلام نے بہت زیادہ جدّتوں سے کام نہیں لیا۔ اس کا تخیل اسلام سے قبل صابیوں میں اور خدا پرستوں میں موجود تھا، مجوسی بھی تقریباً اسی قسم کی نماز کے قائل تھے۔ اس لیے اللہ نے اس کی تفصیلات کو اسوۂ رسول پر چھوڑ دیا، اور وضو جو کسی شریعت میں موجود نہ تھا، اس کی تفصیلات بیان فرما دیں۔ اسی طرح رجم کی سزا میں چونکہ شرائع کا قریباً اتفاق تھا۔ اس لیے قرآن نے بالتخصیص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ البتہ کنوارے کی سزا کی تخصیص چونکہ قرآن کو مقصود تھی، اس لیے اس کا اظہار کر دیا۔

۳۔ جواب کی اس نوعیت کے بعد تیسرا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

عفیفہ عورت کو متہم کرنے کی سزا

ایک طرف قرآن نے زانی کی سزا اس قدر کڑی رکھی ہے کہ موجودہ مذاق کے لوگ اس کو تکلیف مالا یطاق قرار دیتے ہیں، اور دوسری طرف چار گواہوں کی شہادت ضروری بتائی ہے، جن کا مہیّا ہونا شاذ و نادر ہی ہو سکتا ہے۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ یہ ایک سوال ہے جو طبعاً پیدا ہوتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ سزا اس لیے کڑی رکھی ہے تاکہ اس خبیث مرض کا کلیتہً انسداد ہو جائے۔ چنانچہ آپ عہد نبویؐ میں دیکھیے گا کہ زنا کے واقعات دو تین سے زیادہ نہیں ملیں گے اور اس دورِ تہذیبِ جدید میں شاید ہی چند آدمی ایسے مل سکیں، جنھیں صحیح معنوں میں عفیف کہا جا سکتا ہے۔ ع

بہ بین تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

چار شاہدوں کا ہونا اثبات واقعہ کے لیے اس لیے لازم ہے کہ معاملہ ایک جان کا ہے۔ ایک کی زندگی ختم ہونے کا ہے۔ چنانچہ اس اہم واقعے کے لیے معمولی شہادت ناکافی اور نامنصفانہ ہے۔ اس آیت میں معاملے کی اہمیت کے پیش نظر گواہوں کو تنبیہہ کی گئی ہے کہ اگر تم نے عفیف اور پاک باز عورتوں کو یونہی متہم کیا اور ثبوت میں عینی گواہ پیش نہ کر سکے تو حد قذف کے لیے تیار رہو۔ تمھاری پشت پر اسّی دُرّے لگائے جائیں گے۔ اس حد شرعی کے تقرر سے معلوم ہوا کہ اسلام کے نزدیک عورت کی عزّت اور اس کا وقار کس قدر قیمتی ہے۔ ارشاد ہے کہ پرہیزگار عورتوں کو متہم کرنے والے لوگ فاسق و بدکردار ہیں۔ انھیں سزا دو اور آئندہ کے لیے ان کی شہادت بھی قبول نہ کرو۔"

سزائے رجم بلاشبہ سخت ہے، لیکن یہ جرم بھی تو کم سخت نہیں۔ معاشرتی اعتبار سے سب سے ظالمانہ اقدام یہی ہے کہ انسان دوسرے کی عزّت پر ہاتھ ڈالے۔ لیکن اس جرم کی سنگینی کے اعتبار سے اس کی صحت کا معاملہ بھی اتنا ہی سخت کیا گیا تاکہ کوئی اُٹھ کر آسانی سے کسی پر تہمت طرازی نہ کر سکے۔ کرے تو اس کی سزا غایت درجے سخت ہے تاکہ باقیوں کو عبرت ہو۔ "عفیفہ عورت کو متہم کرنے کی سزا" کے عنوان میں اسی کا ذکر ہے۔ اور ربط آیات کا مسئلہ اگرچہ بہت اہم ہے تو اس ترتیب سے اس فن میں بھی مولانا کے کمال کا پتا چلتا ہے۔ حوالوں کا قصہ دراز ہوتا جا رہا ہے لیکن کیا کیا جائے یہ حکایت اتنی لذیذ و شیریں ہے کہ اختتام کو جی نہیں چاہتا تاہم اب زیادہ طوالت اختیار کیے بغیر محض چند باتوں پر اکتفا کروں گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تین باتیں سورۂ الفرقان کے حوالے سے ہیں اور بالکل ابتدائی آیات کے ضمن میں ۔ تفسیر کا ص ۸۶۰/۸۶۱ قابل غور ہے ۔

بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا کہ اہل جہان کے لیے ڈرانے والا ہو۔ (آیت: ۱)

اس پر مولانا کا نوٹ جہاں قرآن کی عظمت کا آئینہ دار ہے وہاں ختم نبوت و رسالت کی ایک اچھوتی تعبیر اس سے پیدا کی گئی ہے ۔ ملاحظہ فرمائیں، پھر مولانا نے آیت ۲ کے ضمن میں ایک عنوان قائم کیا ۔

اشتراکیت اور اسلامی تخیل ملک ۔

یعنی اندھی بہری سرمایہ داری کے رد عمل میں اُبھرنے والی تحریک اشتراکیت کا رد ۔ کیونکہ جس طرح سرمایہ داری اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور مبغوض ہے، اسی طرح کا حال اس کا ہے ۔ نہ وہ پسند نہ یہ ۔ لیکن اصل سوچنے کا مقام یہ ہے کہ نکتہ رس اور دقیقہ سنج طبیعت نے بات کہاں سے پیدا کی ۔ سبحان اللہ و بحمدہ

اور پھر آیت ۶ کے حوالے سے "قرآن خدا کا کلام ہے" کا عنوان قائم کر کے اس تخیل کو پارہ پارہ کیا جس کی رو سے قرآن نبی امی کا کلام قرار پاتا ہے یا اس میں آمیزش کا ذہن ابھرتا ہے ۔ دونوں صفحات تسلسل سے پڑھیں، ایک عجیب کیف محسوس ہوگا ۔

مُسلمان قرآن کے بعد کسی دوسرے صحیفے کا منتظر نہیں

اللہ کی ذات ہمہ خیر اور ہمہ برکت ہے، اور یہ اُس کے فیوض عالیہ میں سے ہے کہ اس نے گمراہ انسانوں کے لیے ایک راہنما بھیجا، اور ایک نہایت ہی شاندار کتاب عنایت فرمائی جو حق و باطل کے درمیان فارق ہے، اور وہ راہنما ایسا ہے کہ اُس کی نبوّت تمام کائنات انسانی کے لیے ہے۔ اس کا پیغام زمان و مکان کی قیود سے بالا ہے۔ وُہ ہر قوم اور ہر قرن کے لیے پیغمبر ہے۔ اس کی تعلیمات کا فیض عام ہے ۔ وہ ایک ایسا آفتاب رشد و ہدایت ہے جو کبھی غروب نہیں ہوتا۔ یعنے قیامت تک مسلمانوں کو کسی نبوت اور کسی رسالت کی ضرورت نہیں، کسی کتاب اور کسی صحیفے کی حاجت نہیں ۔ جہاں تک رشد و ہدایت کے پروگرام کا تعلق ہے، مسلمان قرآن کے بعد ہر چیز سے بے نیاز ہے ۔

عَلٰی عَبْدِہٖ سے مُراد ہے کہ بڑے سے بڑا رتبہ اور مقام عبودیت ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم باوجود ان مراتب اور درجات کے، باوجود اس قرب و اختصاص کے کہ دُنیا کا کوئی شخص فضائل میں اُن کا ہمسر نہیں ہے اور وہ اقلیم مکارم کے تنہا تاجدار ہیں، اللہ کے بندے ہیں اور اُن کے تعلقات اپنے خالق سے نیازمندانہ ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نَذِیْراً ۔ سے مُراد آگاہ کرنے والا ہے، ڈرانے والا نہیں ؛

اشتراکیت اور اسلامی تخیّلِ مِلک

شرک اور بُت پرستی کی تردید ہے ۔ ارشاد ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے ۔ پھر اُس کو بیٹوں کی کیا ضرورت ہے ؟ اور کون ہے جو اس کے اختیارات میں دخل اندازی کر سکے ۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے ۔ اشتراکیت کا موجودہ تخیل اگر غور کیا جائے تو اس آیت کی رُو سے درست نہیں ۔ کیونکہ اشتراکیت کے معنے یہ ہیں کہ تمام املاک کو حکومت کا مِلک قرار دیا جائے ۔ حالانکہ ہر چیز کا مالک خدا ہے ۔ اُسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور اسی کو اختیار حاصل ہے کہ وہ ان کو مناسب اور موزوں طریقوں سے اپنے بندوں میں تقسیم کر دے ۔ یہ خدا کی مِلک اور اس کے قبضہ و اختیار میں ہے ۔ مداخلت کرنے والے کون ہیں ؟ اصل میں یہی وہ مقام ہے جہاں سے اشتراکیت اور اسلام کی دو جدا جدا راہیں پیدا ہوتی ہیں ۔ اس باب میں دونوں متفق ہیں کہ کوئی شخص تنہا کسی چیز کا مالک نہیں ۔ اشتراکیت کے نزدیک اس لیے ایسا نہیں ہو سکتا کہ جمہوریت یا حکومت اس کی مالک ہے اور اسلام کہتا ہے کہ صرف اللہ مالک ہے ۔ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور ہماری حیثیت محض امین کی ہے ۔ براہِ راست مجاز نہیں کہ اپنے اختیارات کو بروئے کار لا سکیں ۔ ہم اللہ کی ہدایات کے منتظر ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے اپنی دولت کو تقسیم کرتا ہے ۔ چنانچہ قرآنِ حکیم نے دولت اور املاک کی اتنی بہتر تقسیم فرمائی ہے کہ اُس کے بعد اشتراکیت کے لیے مسلمان کے قلب میں کوئی جگہ نہیں رہتی ۔

قرآن خدا کا کلام ہے

نضر بن حرث اور اس قماش کے دُوسرے لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کا جواب بَن نہیں آتا تو وہ کہتے کہ یہ خدا کا کلام تھوڑا ہی ہے، یہ تو افترا ہے ۔ وہ لوگ جو اہلِ کتاب تھے اور اب مسلمان ہو گئے ہیں، اُس کی ترتیب و تدوین میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کا ہاتھ بٹاتے ہیں ۔ نیز کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں اور قصّے ہیں، جس کو اس نے لکھوا لیا ہے اور اب قرآن کے نام سے ہمارے سامنے پیش کر رہا ہے ۔

قرآن کہتا ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور خدا کی جانب سے فرستادہ ہیں ۔ ان کا پیش کردہ کلام، خدا کا کلام ہے ۔ دلیل یہ ہے کہ اس میں ایسا علم اور ایسی وسعتِ معارف ہے جو اللہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ مختص ہے۔

جس طرح آسمانوں اور زمین کے بھیدوں اور اسرارِ کائنات کو بجز خالقِ کون و مکان کوئی نہیں جانتا، اسی طرح ان علوم و معارف سے کوئی شخص آگاہ نہیں جو قرآن میں مذکور ہیں:

غرض یہ ہے کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے پر سب سے بڑی دلیل اس کی وسعتِ معانی اور ذخارت معلومات ہے۔

کیا کوئی انسان اتنا بلیغ، اتنا جامع، اور جملہ ضروریات انسانی کو پُورا کرنے والا کلام پیش کر سکتا ہے؟ ایک ایسا کلام جس میں عقائد بھی ہوں، اخلاق کی تفصیل بھی ہو اور معاشرت کی گتھیاں بھی سلجھائی گئی ہوں، جس میں اقوام و ملل کے حالات ہوں اور نفسیاتِ عروج و زوال کی داستان بھی ہو۔ جس میں حیرت انگیز پیشگوئیاں ہوں، اور غیوب کا ایک بہت بڑا مجموعہ ہو۔ جس کا انداز بیان بالکل فطری، جاذب اور حیران کن طور پر معجزانہ ہو۔ جس کے متعلق ساری دُنیا کو مقابلے کی دعوت دی جائے۔ جس کو سُن کر بڑے بڑے فصحا لکھنا چھوڑ دیں۔ قوم میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دے جو مردوں میں جان ڈال دے اور زندوں کو عروج وارتقا کے بام بلند تک پہنچا دے۔ ایسا عظیم المرتبت کلام یقیناً انسان کی وسعت سے باہر ہے؟

اسلام، دین تبلیغ ہے، تبلیغ اور مبلغ کے ضمن میں قرآن کی جو ہدایات ہیں ان سے قطع نظر کر کے محض ایک مقام قابلِ غور ہے۔ سورہ طٰہٰ کی آیت ۴۴ — موسیٰ علیہ السلام جیسے اولو العزم نبی فرعون کے پاس جا رہے ہیں تو اُنھیں شیریں بیانی کی ہدایت ہے۔ متعلقہ آیت اور اس کا ترجمہ ملاحظہ کرنے کے بعد مولانا کا نوٹ ملاحظہ فرمائیں۔

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۚ صلے فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ○

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ اُس نے سر اُٹھا رکھا ہے۔ سو اُس سے نرمی سے بات کرو، شاید وہ سمجھے یا ڈرے۔

شیریں گفتار ہونا مُبلغ کے لیے ضروری ہے

" فرعون کے پاس بھیجتے وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو جو نصیحتیں ارشاد فرمائی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ وہ آج کل کے علما کو آبِ زر سے لکھ لینا چاہیے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ دیکھنا میری یاد سے غافل نہ ہو جانا اور ہر وقت عبودیت اور نیازمندی کے تعلقات کو قائم رکھنا۔ کیونکہ یہی چیز ہے جس سے دلوں میں پاکیزگی موجود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہتی ہے اور انسان دُنیا کی تمام لذّتوں کو آخرت کے مقابلے میں حقیر سمجھتا ہے۔ ذکر و شغل کی برکات سے رُوح میں نزہت و توانائی پیدا ہوتی ہے اور دل و دماغ مجلّٰے اور روشن ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ اکسیر ہے جس کے باعث چہروں پر نور اور قلب میں سرور موجزن ہوتا ہے، اور یہی وہ کبریت احمر ہے جس سے بہرہ ور ہونے والا انسان حقیقتاً نہایت خوش قسمت انسان ہے۔

موسیٰؑ اور ہارونؑ چونکہ ایک بہت بڑی مادی قوت سے نبرد آزما ہونے کے لیے جا رہے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ اُن میں اسی تناسب سے روحانیت ہو، اور فرعون کے عساکر کے مقابلے میں ان کے پاس بھی اللہ کی زبردست اعانت موجود ہو۔

علما اور راہنمایان دین کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ وہ بھی اللہ کے اس ارشاد کو نہ بھولیں اور مقام اصلاح پر جلوہ فرما ہونے سے پہلے صالح، نیک اور خدا پرست انسان بننے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ جب کبر و غرور کے اس مجسمے کے پاس جاؤ جس کا نام فرعون ہے تو نہایت رفق و ملاطفت سے پیش آنا۔ حلاوت اور شیرینی سے باتیں کرنا، تاکہ اس کے دل میں اثر پیدا ہو سکے اور اس کی قساوت قلبی پر خشیت الٰہی غالب ہو جائے۔ یہاں ذرا ملاحظہ کیجیے۔ فرعون کے مقابلے میں جو جابر ہے، ظالم ہے، اور بدرجہ اتم سرکش ہے۔ اپنے پیغمبر کو اخوت اور ملاطفت کی تلقین کی جا رہی ہے۔ سوچیے اور بتلایئے ہمارے علما اور قدسیانِ طریقت کا رویّہ عام مسلمانوں کے مقابلے میں کیا ایسا ہی ہے؟ وہ مسلمان جو کلمہ گو ہیں، خدا کو ایک مانتے ہیں اور فروتنی و انکساری سے رہنا اپنے لیے فخر جانتے ہیں، اُن کی ادنیٰ کوتاہیوں اور لغزشوں پر ہمارے علما اور مرشدین کس خشونت اور درشتی سے پیش آتے ہیں۔"

مولانا ندوی کی تفسیر کا یہ حصّہ نہایت شاندار ہے۔ غور فرمایئے۔ آج کا انداز تبلیغ اس حکم و ہدایت ربانی سے کوئی مناسبت رکھتا ہے؟ حضرت مولانا محمد الیاس قدس سرہٗ کاندھلوی ثم دہلوی کی تبلیغی تحریک سے قطع نظر باقی دعاۃ و مبلغین کا بالعموم حال "مصیطر" کا ہو کر رہ گیا ہے، حالانکہ قرآن نے تذکیر، تبلیغ، دعوت اور ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جو بذاتِ خود نرم روی، اسلوب و بیان کی شیرینی اور الفاظ کے انتخاب میں احتیاط کا تقاضا کرتے ہیں۔

آخر میں "یاجوج ماجوج" کے عنوان سے ایک مختصر نوٹ۔ یاجوج ماجوج اس دنیائے دوں کے دورِ آخر کا ایک ہنگامہ ہے۔ طول طویل بحثیں اس ضمن میں ہوئی ہیں، جن سے عام قاری پریشان ہو جاتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں ۔ اس باب میں مولانا ندوی کا نوٹ مختصر ہے اور واضح ۔ کہ دین داری کے خلاف جنگ کی صورت و کیفیت پیدا ہو جائے گی تو خدائی انتقام کا ایک مظہر یہ بھی ہوگا ۔ اتنی ہی حقیقت سمجھنا ہماری ضرورت ہے ۔ اس قوم کا تعین اور اس کے خروج کا وقت اور تفصیلات ہماری ضرورت نہیں، ہماری ضرورت اپنے اجتماعی کردار کا جائزہ لینا ہے، اس میں نقص و جھول نہیں تو یاجوج و ماجوج سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں، لیکن اگر اس کی چولیں ہل چکی ہیں تو پھر یہ خطرہ ٹل نہیں سکتا ۔ (ص ۸۸، سورۂ انبیا آیت ۹۶)

"یاجوج و ماجوج کی تفصیلات گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہیں ۔ مختصراً یوں سمجھ لیجیے کہ قوموں کی بدعقیدگی اور مظالم کا ایک طوفان اٹھے گا جو نظامِ عالم کو تہ و بالا کر دے گا، اور یہ اُس وقت ہوگا جب کہ مذہب کی وقعت دلوں سے اُٹھ جائے گی ۔ دینداری کے خلاف جنگ کی جائے گی اور نظامِ کائنات کی بُنیادیں محض ہوس و جوع پر رکھی جائیں گی ۔ جب انسانوں میں شریر اور بدباطن لوگ رہ جائیں گے اور صرف مادّیت کی حکومت ہوگی ۔

ان حالات میں بطور انتقام اللہ تعالےٰ ایک قوم کو تباہی و غارت گری کے لیے انسانوں پر مسلّط کر دیں گے، تاکہ یہ بات ثابت ہو کہ انتہائے مادّیت کے معنے آخری تباہی کے ہیں۔"

یہ ہے مولانا محمد حنیف ندوی کی تفسیر "سراج البیان" کا تعارف ۔ اسے مختصر سمجھیے یا مفصل، یہ آپ کی مرضی ۔۔! میں اپنے طور پر یہی سمجھتا ہوں کہ میں اس کے تعارف کا پورا حق ادا نہیں کر سکا ۔ اس کے مختلف پہلوؤں سے متعلق مزید لکھنے کی ضرورت ہے ۔ لیکن میری مجبوری ہے کہ مکمل کتاب انتہائی بھاگ دوڑ اور کوشش کے باوجود میسر نہ ہو سکی ۔ جو حصّہ ملا، اس پر اپنے قلبی تاثرات کا اظہار کر دیا گیا ۔

یہ حقیقت ہے کہ مولانا کو قرآن مجید سے بے پناہ محبت ہے، تفسیر سراج البیان کے علاوہ ان کی کتابوں ۔ مطالعۂ قرآن اور لسان القرآن کی جلد اوّل اور جلد دوم سے بھی اس کا واضح ثبوت ملتا ہے ۔ لسان القرآن کی ابھی دو جلدیں چھپی ہیں اور تیسری جلد کا مسودہ تقریباً سو صفحات تک پہنچا تھا کہ مولانا بیمار ہو گئے ۔ خدا اُنھیں صحتِ عاجلہ و کاملہ عطا فرمائے اور کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچے ۔ ع

ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد ۔۔!

© rasailojaraid.com